Bal-e-jibraiel se chand nazmoun ka Tajziya

B.A Urdu (Hons)

Lecture-3

اگر ہم موضوعاتی سطح پر اردو شاعری کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلاسیکی ادب سے لے موجودہ جدید ادب کے شعرا کرام نے حیات و کائنات کیتمام موضوعات میں سے شراب،شرابی خمریات، مے خانے اور ساقی جیسے موضوع پر بھی بہت کچھ لکھا ہے اور بہت اچھا لکھا ہے۔لیکن اقبال کے یہاں اس موضوع کے معنی وہ نہیں نہیں جو عام طور پر دوسرے شعرا کے یہاں دیکھنے کو ملتے ہیں۔

اس نوعیت کی نظم کا مزاج عام طور پر التجائی رہا ہے جو یا تو خالق کائنات سے یا کسی اور بزرگ ہستی سے کہ جس کی ذات جود وسخا اور بخشش وعنایت کا مرکز تصور ہوتی رہی ہے۔شاعروں نے اپنے حالات کی نامساعدت کا تذکرہ کرتے ہوئے صورتحال کو تبدیل کرنے کی التجا کی ہے۔اقبال کی پیش نظر نظم ''ساقی نامہ'' کا مزاج بھی یہی جس کا آغاز موسم بہار کی آمد آمد کے تذکروں سے ہوا ہے۔یہ وہ موسم ہے جس میں فطرت اپنے تمام رفیوقوں کو منظر عام پر لے آتی ہے اور ہر طرف مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔اقبال نے اس نظم میں اپنے شعری نظام فکر کو برقرار رکھتے ہوئے ملی معاشرے میں صحت مند برپا کرنے کی آرزومندی کا اظہار کیا ہے۔

''ساقی نامہ'' میں کل سات بند ہیں جس کے پہلے بند کے ابتدائی چار اشعار میں بہار کی آمد کا ایک دل کش خارجی منظر پیش کیا گیا ہے۔لیکن پانچواں شعر:

وہ جوئے کہستاں اُچکتی ہوئی
اٹکتی لچکتی سرکتی ہوئی

ایک فکر انگیز گریز کا شعر ہے جہاں 'جوئے کہستاں' زندگی کے ایک مضبوط استعارے کا کام انجام دیتی ہے اور جس کی بنیاد پر شاعر اس آرزو کا اظہار کرتا ہے:

پلا دے مجھے وہ مئے پردہ سوز

که آتی نہیں فصل گل روز روز
وہ مئے جس سے روشن ضمیر حیات
وہ مئے جس سے ہے ہستی کائنات

اوراس آرزو کا اظہار بھی شاعر نے اس لیے کیا ہے کہ اسے اس کا واضح ادراک ہو چکا ہے کہ پرانے رسم ورواج ختم ہو چکے ہیں۔ وقت نے ایک انقلابی تغیر اختیار کیا ہے۔ خواب غفلت میں مبتلا قوم بیدار ہونے لگی ہے چنانچہ اس صورتحال میں قوم مسلم کو بھی بے حسی، بے علمی اور غفلت کے ماحول سے نکل کر میدان عمل میں آجانا ہے۔ ایسی صورت میں کہ جب:

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی

ایک حیات آفریں انگڑائی اسباب وجود کے لیے ضروری ہے۔ اقبال شاکی ہیں کہ مسلمانوں کے اندر سے وہ اصل خصوصیت ختم ہوگئی کہ جس نے انہیں دنیاوی زندگی میں سربلندی بخشی تھی:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راک کا ڈھیر ہے

دوسرے میں اس آخری شعر پر اقبال نے دور حاضر کے انقلابات کے پس منظر میں اسلام پسندوں کی غفلتوں کا ماتم کیا ہے کہ یہ کیسا اندھیر ہے کہ عشق حق کی آگ بجھ گئی اور مسلمان راکھ کا ڈھیر بن کر رہ گیا ہے۔ یعنی مسلمان میں حرارت کی جو بھی متاع تھی وہ عشق حق کی بدولت بھی اور جو یہ متاع ضائع ہوئی تو مسلمان کی قدر و قیمت بھی جاتی رہی۔

تیسرے بند میں انہوں نے نونہالان اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے زندگی کی اصل قوت اور اس کے مزاج کی نشان دہی کی ہے اور اس کی تلقین کی ہے کہ ارض زندگی کی کامیابی مسلسل جدوجہد سے عبارت ہے اور اس کے لیے شدت شوق اور جذبۂ عشق بے حد ضروری ہے جس نے ماضی میں حضرت ابوبکر اور حضرت علی جیسی شخصیتیں پیدا کی تھیں۔ نظم کے چوتھے بند میں اقبال نے حقیقت حیات کو بے نقاب کیا ہے۔ انہوں نے زندگی کو ایک مسلسل رواں دواں قوت تصور کیا ہے۔ اور پانچویں بند میں یہ وضاحت کی ہے کہ:

فریب نظر ہے سکون وثبات

تڑپتا ہے ذرہ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروان وجود
کہ ہر لحظہ ہے تازہ شان وجود
سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوق پرواز ہے زندگی

اقبال کے نزدیک سکون وثبات مردہ ہوجانے کی علامت ہے۔وہ یہ کہتے ہیں کہ جب کائنات میں ہرایک ذرہ تڑپ رہا ہے تو ایسی صورت میں مسلمانوں کا مضمحل اور بے عمل بیٹھے رہنا ہرگز مستحسن نہیں۔وہ بھی ایسی صورت میں کہ جب خالق کائنات نے امت مسلماں کو تشکیل کائنات کی ذمہ داری عطا کردی ہو۔اقبال کا خیال ہے کہ عملی سرگرمی ہی دنیاوی زندگی میں سرخروی اور کامرانی کا وسیلہ بنی ہے اور اگر یہی صفت پھر مسلمانوں کے اندر آجائے تو انہیں پھر وہی عہد رفتہ کا وقار حاصل ہوسکتا ہے۔نظم کے چھٹے بند میں اقبال نے اس کی وضاحت کی ہے کہ عملی سرگرمیوں کو خودی کے زور پر آگے بڑھانے کی ضرورت ہے کیونکہ یہی راز دوران حیات بھی ہے اور بیداریٔ کائنات بھی۔یہ وہ وقت ہے کہ جس کی ضرب پہاڑ کو بھی ریگ رواں بنادیتی ہے۔اقبال کہتے ہیں کہ یہ قوت مسلمان کے دلوں میں یوں ہے کہ:

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

نظم کے آخری حصے میں قوت خودی کی خصوصیتوں کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال نے جن تاثرات کا اظہار کیا ہے ان سے براہ راست واقفیت کے لیے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

خودی کی ہے یہ منزل اولیں
مسافر! یہ تیرا نشیمن نہیں
تری آگ اس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں
بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر
طلسم زمان ومکاں توڑ کر

اقبال کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر خودی کو رہنما بنایا جائے تو عمل ارتقا کے دوران لازوال بن جانے کا امکان بھی ہے۔ زمان ومکاں کی پابندیوں پر قابو پالینے کی امید بھی ہے اور ضمیر وجود کے رازوں تک رسائی بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ اقبال نے زندگی کی اساس کو روحانی تصور کیا ہے اور ان کے نزدیک کائنات کی تعمیر نو خودی کے لامحدود امکانات کے ملک پر انحصار کرتی ہے۔ انسانیت کا جو تصور اقبال نے پیش کیا ہے اس میں بڑی آفاقیت موجود ہے اور اس سے تخلیق آدم کے مقصد اور انسانی معاشرے کی تہذیب وتوسیع کی امیدیں بھی نمایاں ہوتی ہیں۔

Dr. H M Imran

Assistant Professor

Deptt. of urdu, S S C ollege, Jehanabad

imran305@gmail.com